باب چہارم

اسلام بہتر انتخاب کیوں؟

مغربی ماہرین اور نومسلم خواتین کا اظہارِ خیال

خواتین کے حقوق کے حوالے سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے اور اس ضمن میں مسلم دنیا کے مقتدر طبقوں کے انتہائی شرمسارانہ رویے کے باوجود مغربی خواتین بڑی تعداد میں اسلام کیوں قبول کررہی ہیں؟ مغرب کے علمی حلقوں میں یہ سوال زیر بحث ہے اور اس صورت حال کے اصل اسباب کا کھوج لگانے کی جستجو جاری ہے۔ نج میگن (Nijmegen) یونیورسٹی نیدر لینڈ میں سماجی علوم کی معلّمہ کیرن وین نیوکرک (Karin van Nieuwkerk) نے ۲۰۰۶ء میں منظر عام پر آنے والی اپنی تالیف Women Embracing Islam Gender and Conversion in the West (خواتین میں اسلام کی قبولیت -مغرب میں صنف اور تبدیلیٔ مذہب) میں اسی سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کے تعارف میں کہا گیا ہے:

''مغرب میں بہت سے لوگ اسلام کو ایسے مذہب کے طور پر دیکھتے ہیں جو نجی اور اجتماعی زندگی میں خواتین پر پابندیاں عائد کرتا اور انہیں ذیلی حیثیت دیتا ہے۔اس کے باوجود مغربی یورپ اور امریکہ میں عورتیں حیرت انگیز تعداد میں اسلام قبول کررہی ہیں۔ وہ کیا چیز ہے جو ان عورتوں کو ایک ایسے عقیدے کی طرف کھینچتی ہے جو مغربی عیسائیت اور مغربی سیکولرازم دونوں سے نمایاں طور پر مختلف ہے؟ تبدیلی مذہب سے انہیں کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اس کی کیا قیمت انہیں ادا کرنا پڑتی ہے؟ نیا عقیدہ اختیار کرنے کے بعد مغربی خواتین کس طرح زندگی گزارتی ہیں، اور ان کی تبدیلی مذہب ،ان کے خاندانوں اور حلقہ احباب کو کس طور پر متاثر کرتی ہے۔مذہب بدلنے والی عورتیں اسلامی اقدار کو اپنے بچوں میں کس طرح منتقل کرتی ہیں؟ یہ اُن میں سے چند

سوال ہیں جن کے جواب اسلام قبول کرنے والی عورتوں سے حاصل کیے جانے چاہییں۔''[۱]

اپنے موضوع پر اس انتہائی اہم تالیف کی خصوصیات تعارفی سطور میں یوں بیان کی گئی ہیں:

''صنف کی بنیاد پر قبول اسلام کے اس اولین تحقیقی مطالعے میں ممتاز تاریخ دانوں، عمرانی علوم، ماہرین بشریات اور علمائے مذاہب نے اس بات کی تحقیق کی ہے کہ امریکہ، کئی یورپی ملکوں اور جنوبی افریقہ میں غیر مسلم عورتیں اسلام کو کیوں اپنا رہی ہیں۔ اسلام قبول کرنے والی عورتوں سے تفصیلی بات چیت کر کے ان مصنفوں نے اِن کی زندگی کے اُن تجربات کو کھنگالا ہے جو ان کے مسلمان ہونے کا سبب بنے اور اُن ترغیبات کا جائزہ لیا ہے جو اسلام کی مختلف شکلوں اور ''نیشن آف اسلام'' (افریقی نژاد امریکیوں کی ایک تحریک) میں عورتوں کے لیے پائی جاتی ہیں۔''

اس کے بعد ماہرین کی تحقیقات کا نچوڑ ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے:

''یہ مصنفین جس نتیجے پر پہنچے وہ یہ ہے کہ اگرچہ عوامل کا کوئی واحد مجموعہ اس امر کی وضاحت نہیں کرسکتا کہ مغربی عورتیں اسلامی عقیدے کو کیوں اپنا رہی ہیں لیکن چند مشترکہ محرکات ضرور سامنے آتے ہیں۔ ان میں خاندان اور برادری کے لیے اسلام کے انتہائی لحاظ و احترام کی کشش، اخلاق و کردار کے معاملے میں اس کے سخت اصولی معیارات، اس کے مذہبی تصورات کی معقولیت وروحانیت نیز عیسائیت پر عدم اطمینان اور مغربی کلچر کی جنسی انارکی سے بیزاری کے عوامل شامل ہیں۔''[۲]

اس عالمانہ تحقیقی مطالعے میں مغربی خواتین کی جانب سے قبول اسلام کے ان اسباب کے تعین سے واضح ہے کہ وہ مغربی معاشرے کی نسبت اسلام میں اپنے لیے زیادہ احترام، زیادہ حقوق اور ان حقوق کا بہتر تحفظ پاتی ہیں، نیز حضرت عیسیٰ کی اصل تعلیمات سے منحرف ہوجانے والی موجودہ عیسائیت کے غیر منطقی عقائد کے مقابلے میں اسلام کی معقول تعلیمات انہیں زیادہ اپیل کرتی ہیں۔

اسلام عورتوں کو کیا کچھ دیتا ہے

برطانوی صحافی ایوان رِڈلے کا اظہار خیال

مغرب میں عورتوں کے حقوق کے حوالے سے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ ایک مدت سے جاری ہے۔ افغانستان میں طالبان حکومت قائم ہوئی تو اس کے خلاف ایک بڑا الزام عورتوں کے حقوق کی پامالی کا بھی تھا۔ لیکن عجیب اتفاق ہے کہ اس پروپیگنڈے کی تردید کا بیڑہ مغرب کی ایک ایسی ممتاز خاتون صحافی نے اٹھایا جسے مغرب کی نگاہ میں عورتوں کے ساتھ انتہائی بدسلوکی کرنے والے اِن ہی طالبان کی قید میں رہنے کا تجربہ ہوا اور اِن کا حسن سلوک ہی اسلام سے اُس کی وابستگی کا سبب بن گیا۔ یہ برطانوی صحافی ایوان رڈلے (Yvonne Ridley) کا ذکر ہے جو دشمن کی جاسوسی کے شبہ میں گرفتار ہوئی تھی۔

رڈلے نائن الیون واقعات کے بعد عین اس وقت افغانستان پہنچی تھی جب امریکی حکومت اپنے اتحادیوں کے ساتھ طالبان حکومت کے خاتمے اور افغانستان پر تسلط کے لیے فوج کشی کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ وہ طالبان حکومت میں عورتوں کے ساتھ روا رکھی جانے والی مبینہ زیادتیوں اور مظالم کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اپنے اخبار کے لیے اس موضوع پر ایک مفصل رپورٹ لکھنے کی خاطر ایک مکمل باپردہ افغان خاتون کے روپ میں افغانستان پہنچی، لیکن ایک موقع پر برقعے سے باہر آجانے والا اُس کا کیمرہ طالبان کی ایک چیک پوسٹ پر دیکھ لیا گیا جس سے یہ راز فاش ہوگیا کہ وہ ایک انگریز عورت ہے اور خفیہ طور پر افغانستان میں داخل ہوئی ہے۔

اس کے بعد وہ دس دن تک گرفتار رہی لیکن اِس عرصے میں اُس کے ساتھ ان طالبان نے جنھیں مغرب میں تہذیب اور شائستگی سے نابلد ہونے اور عورتوں کے ساتھ انتہائی ذلت آمیز اور انسانیت سوز سلوک کرنے کے حوالے سے بری طرح بدنام کررکھا گیا تھا، عزت و احترام پر مبنی ایسا مثالی برتاؤ کیا جو اس کے لیے ناقابل تصور تھا، وہ قدرتی طور پر اُن کے اِس حسن سلوک سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی اور رہائی کے بعد قرآن اور اسلام کا مطالعہ کرکے مسلمان ہوگئی۔ رڈلے

نے یہ پوری روداد اپنی کتاب "In the Hands of the Taliban" میں لکھی ہے۔ ''طالبان کی قید میں'' کے نام سے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ بھی ہوا ہے۔

عجیب اتفاق ہے کہ طالبان کی قید میں رہ کر اسلام سے متاثر ہونے والی یہی مغربی خاتون، امریکی حکام کے ہاتھوں شدید ظلم و بے انصافی اور انسانیت سوز سلوک کا نشانہ بننے والی عافیہ صدیقی کے معاملے کو منظر عام پر لانے کا ذریعہ بنی اور یوں عورت کے احترام کے حوالے سے مغرب اور اسلام کے طرز عمل کا فرق کھل کر دنیا کے سامنے آ گیا۔

اب یہ برطانوی صحافی عالمی سطح پر اسلام کی پرجوش مبلغ اور داعی ہے اور مغرب میں سلام کے بارے میں پھیلائی گئی غلط فہمیاں دور کرنے کے لیے سرگرم عمل ہے۔ بی بی سی کو دیے جانے والے ایک انٹرویو میں جب رڈلی سے مسلمان معاشروں میں عورتوں کو درپیش مسائل کے حوالے سے سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا:

''مسلمان ملکوں میں جبر کا نشانہ بننے والی عورتیں یقیناً ہیں، لیکن میں آپ کو Tyneside کے گلی کوچوں میں بھی ایسی مظلوم عورتیں دکھا سکتی ہوں۔ ظلم و جبر ایک کلچر ہے، یہ اسلام نہیں ہے۔ قرآن اس حقیقت کو آئینے کی طرح صاف کر دیتا ہے عورت اور مرد برابر ہیں۔''[۳]

حجاب اور نقاب کے خلاف مغربی دنیا میں جاری مہم کے دوران جب برطانوی وزیر خارجہ سمیت برطانیہ کے بعض سیاستدانوں نے بھی اس کی حمایت شروع کی تو رڈلے نے ''مجھے نقاب سے محبت کیسے ہوئی؟'' (How I came to love the veil) کے عنوان سے اپنے ایک مضمون میں بڑی جامعیت کے ساتھ واضح کیا کہ مغربی تہذیب کے مقابلے میں اسلام میں عورت کا مقام کتنا بلند ہے، اُس کے فطری تقاضوں کو برقرار رکھتے ہوئے کس طرح مکمل مساوی حقوق اُسے دیے گئے ہیں اور جن حوالوں سے اسلام کو عورتوں کے ساتھ بدسلوکی کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے، اُن کی حقیقت کیا ہے۔

اپنے اس مضمون میں ایوان رِڈلے بتاتی ہیں کہ طالبان کی قید سے رہائی کے بعد انہوں نے

لندن پہنچ کر اپنے وعدے کے مطابق قرآن کا مطالعہ شروع کیا اور جو حقیقت اُن پر کھلی اس نے انہیں حیرت زدہ کر دیا۔ وہ لکھتی ہیں:

''میرا خیال تھا کہ قرآن کے ابواب میں بتایا گیا ہوگا کہ اپنی بیوی کو کس طرح مارنا پیٹنا چاہیے اور بیٹیوں کو کس طرح کچل کر رکھنا چاہیے، لیکن اس کے بجائے میں نے ایسی عبارتیں دیکھیں جو عورتوں کی آزادی کی علم بردار اور ضامن ہیں۔ چنانچہ اپنی رہائی کے ڈھائی سال بعد میں نے اسلام قبول کر لیا۔''

عورتوں کے حوالے سے اسلام پر لگائے جانے والے الزامات کی حقیقت واضح کرتے ہوئے وہ کہتی ہیں:

''میں نقاب کی حمایت اور مخالفت، دونوں جانب رہنے کی بناء پر، آپ کو بتا سکتی ہوں کہ بیشتر مغربی مرد سیاستداں اور صحافی جو دنیائے اسلام میں عورتوں کی مظلومیت پر ماتم کناں رہتے ہیں، انہیں کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کس چیز کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ وہ نقاب، لڑکیوں کا کم عمری میں بیاہ، عزت کے نام پر قتل اور جبری شادیوں کے موضوعات چھیڑتے ہیں اور غلط طور پر ان کے لیے اسلام کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔ اُن کا یہ غیظ و غضب محض اُن کی جہالت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ ثقافتی معاملات اور رسوم و رواج ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔''

ایوان رڈلے قرآن کی روشنی میں بتاتی ہیں کہ اسلام عورتوں کو ان کے تمام حقوق چودہ سو سال پہلے ہی دے چکا ہے جبکہ مغرب کی عورت اب بھی اس منزل سے بہت دور ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

''قرآن کا توجہ کے ساتھ مطالعہ یہ حقیقت منکشف کرتا ہے کہ مغرب میں آزادیٔ نسواں کے علم برداروں نے ۱۹۷۰ء کی دہائی میں جن حقوق کے لیے جنگ کی، تقریباً وہ سب کے سب مسلمان عورتوں کو چودہ سو سال پہلے مل چکے تھے۔ اسلام میں عورتیں روحانیت، تعلیم اور قابلیت میں مردوں کے برابر سمجھی جاتی ہیں، بچوں کی پیدائش کو عورت کے قابل قدر تحفے اور ان کی پرورش و پرداخت کو مثبت وصف کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔''

ایوان رڈلے اپنے مضمون میں اسلام کے مقابلے میں مغرب میں عورت کے مرتبے کے فرق کو عیاں کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''میں برسوں سے عورتوں کے حقوق کی ایک مغربی علم بردار تھی، لیکن اب مجھے پتہ چلا ہے کہ حقوق نسواں کی علم بردار مسلمان عورتیں اپنی سیکولر ساتھیوں سے زیادہ انقلابی ہیں۔ مغربی دنیا میں منعقد ہونے والے بھونڈے مقابلہ ہائے حسن سے ہم نفرت کرتے ہیں اور ۲۰۰۳ء میں جب عالمی مقابلہ حسن کے ججوں نے بکنی میں ملبوس مس افغانستان وِدا صمد زئی کی شرکت کا، عورتوں کی آزادی کے لیے ایک لمبی چھلانگ کی حیثیت سے، خیر مقدم کیا تو ہمارے لیے اپنی ہنسی روکنا مشکل ہوگیا۔ تاہم صمد زئی کو ''حقوق نسواں کی فتح کی نمائندہ'' کے خصوصی انعام سے نوازا گیا۔''

اس کے بعد یہ برطانوی خاتون صحافی عورتوں کے سامنے دونوں طرز ہائے زندگی میں عورتوں کے مقام کا تعین کرنے والے پیمانوں کو رکھ ان سے کہتی ہے کہ وہ خود طے کریں کہ کون سا نظام ان کے لیے بہتر ہے۔ رڈلی کہتی ہیں:

''اب آپ کو خود فیصلہ کرنا چاہیے کہ آپ کو زیادہ آزادی دینے والا طریقہ کون سا ہے: آپ کے اسکرٹ کی لمبائی اور جراحی کے ذریعے بڑھائی گئی چھاتیوں کی بنیاد پر آپ کا پرکھا جانا یا آپ کی قدر و منزلت کا تعین آپ کے کردار اور فہم و فراست کی بنیاد پر کیا جانا؟ اسلام میں فضیلت کا پیمانہ اخلاق حسن ہے نہ کہ جسمانی حسن، دولت، طاقت، منصب اور جنسی کشش۔''[۴]

مغرب میں عورت کو آزادی کے نام پر دھوکا دیا گیا

لارن بوتھ کی گواہی

لارن بوتھ (Lauren Booth) سابق برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیر کی خواہر نسبتی اور برطانیہ کی معروف صحافی ہیں۔ وہ ڈیلی میل، سنڈے ٹائمز، نیو اسٹیٹس مین اور سنڈے میل وغیرہ کے لیے لکھتی ہیں۔ بی بی سی اور اسکائی نیوز ٹی وی پر وہ باقاعدگی سے برطانوی اخبارات کا جائزہ بھی پیش کرتی

ہیں۔ لارن بوتھ نے ستمبر ۲۰۱۰ء میں ۴۳ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ ایران کے شہر قم میں بی بی فاطمہ معصومہؒ کے مزار کی زیارت کے دوران وہ ایک روحانی کیفیت سے گزریں جس کے بعد انہوں نے قبول اسلام کا حتمی فیصلہ کرلیا تاہم اسلام اور مسلمانوں کے لیے ان کے دل میں نرم گوشہ پیدا ہونے کا آغاز اس سے کئی سال پہلے ہو چکا تھا جس کا ذکر ان کی مختلف تحریروں میں ملتا ہے۔ لارن بوتھ نے برطانوی اخبار ڈیلی میل میں "Why I Love Islam" کے عنوان سے یکم نومبر ۲۰۱۰ء کو شائع ہونے والے مضمون میں اپنے قبول اسلام کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ ۵

وہ بتاتی ہیں کہ ۲۰۰۵ء میں جب وہ اپنے اخبار دی میل کی جانب سے فلسطینی انتخابات کی کوریج کے لیے پہلی بار مشرق وسطیٰ کے سفر کے لیے لندن سے روانہ ہوئیں تو ان کے دماغ میں مغربی میڈیا کے پروپیگنڈے کے زیر اثر ''انقلابی انتہا پسند، جنونی، جبری شادیاں، خودکش بمبار اور جہاد'' جیسے الفاظ گونج رہے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس سے پہلے کبھی انہیں عربوں یا مسلمانوں کے ساتھ وقت گزارنے کا کوئی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا ان کے اس پہلے تجربے کے مثبت ہونے کے امکانات بہت کم تھے۔ تاہم جو واقعہ مسلمانوں اور اسلام کے لیے ان کے خیالات میں غیر محسوس طور پر مثبت تبدیلی کے آغاز کا سبب بنا اس کا ذکر انہوں نے یوں کیا ہے:

''میں مغربی کنارے پہنچی تو میرے بدن پر کوٹ بھی نہیں تھا کیونکہ اسرائیلی ائرپورٹ حکام نے میرا سوٹ کیس رکھ لیا تھا۔ رملہ کے مرکز میں گشت کرتے ہوئے میں سردی سے کانپ رہی تھی کہ ایک بوڑھی عورت نے میرا ہاتھ تھاما۔ عربی میں تیزی سے بولتے ہوئے وہ مجھے ایک قریبی گلی میں واقع اپنے گھر لے گئی۔ میں نے سوچا، کیا میں جوان کے بجائے ایک بوڑھی دہشت گرد کے ہاتھوں اغوا ہوگئی ہوں؟ ان پریشان کن لمحات کے دوران میں نے اُسے اپنی بیٹی کے وارڈ روب تک جاتا دیکھا یہاں تک کہ اس نے ایک کوٹ، ایک ہیٹ اور ایک اسکارف کھینچ نکالا۔ اس کے بعد مجھے اُس سڑک پر واپس لے آیا گیا جہاں میں گشت کر رہی تھی، مجھے اس نے الوداعی بوسہ دیا اور پھر بڑی محبت کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اس عرصے میں ہمارے درمیان ایک بھی قابل فہم لفظ کا

تبادلہ نہیں ہوا۔ یہ شفقت ومحبت کا ایسا برتاؤ تھا جسے میں کبھی نہیں بھول سکی، اور پھر مختلف شکلوں میں سینکڑوں بار مجھے اس کا تجربہ ہوا۔ تاہم اِن گرمجوش رویوں کا ذکر ہمیں اپنے میڈیا کی خبروں میں بہت کم پڑھنے اور سننے کو ملتا ہے۔''

اپنی اسی تحریر میں سر سے پاؤں تک ڈھکی ہوئی باحجاب مسلمان عورت کا مقابلہ کم لباس مغربی عورتوں سے کرتے ہوئے لارن بوتھ لکھتی ہیں:

''اس کے برعکس یورپ کی پروفیشنل عورتیں اپنے جسم کی زیادہ سے زیادہ نمائش کر کے خوش ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر میں خود اپنے بھورے بالوں اور یہی نہیں بلکہ اپنے سینے کے حسن پر فخر کیا کرتی تھی۔ اس کی ہمہ وقت نمائش کرنا عورتوں کے عام معمول کا حصہ ہے کیونکہ آج کے دور میں ہم جو کامیابیاں حاصل کرتے ہیں اس میں ہمارے جسم کی نمائش کا بڑا دخل ہوتا ہے۔''

لارن مغربی عورتوں کے اظہار حسن کے اس جنون کا حال بیان کرتے ہوئے سوال اٹھاتی ہیں کہ اگر عورت کی قدر و قیمت اس کی جسمانی وجنسی کشش ہی کی وجہ سے ہے تو کیا اسے آزادی کہا جاسکتا ہے؟

''حتیٰ کہ جب کبھی مجھے ٹیلی وژن پر کوئی پروگرام پیش کرنے کے لیے بلایا جاتا تو میں حیرت کے ساتھ بیٹھی دیکھا کرتی تھی کہ اس میں شرکت کرنے والی عورتیں، سنجیدہ موضوعات پر پندرہ منٹ سے بھی کم کی گفتگو سے پہلے اپنے بالوں کو سنوارنے اور اپنے میک اپ کو درست کرنے پر ایک ایک گھنٹہ صرف کرتی تھیں۔'' اس کے بعد لارن یہ نہایت اہم سوال اٹھاتی ہیں کہ ''کیا یہ آزادی ہے؟'' وہ کہتی ہیں: ''میں اب حیرت کے ساتھ سوچتی ہوں کہ ہمارے ''آزاد'' معاشرے میں لڑکیوں اور عورتوں کو کتنا حقیقی احترام حاصل ہے۔''

مسلم دنیا میں عورت کی بے چارگی کا تاثر درست نہیں

اسلامی ملکوں میں عورتوں کی بے چارگی اور مظلومیت کے پروپیگنڈے کو غلط قرار دیتے ہوئے مسلم دنیا میں اپنے مشاہدات کی روشنی میں لارن بوتھ حقیقت حال واضح کرتی ہیں۔ ڈیلی میل

کے اس مضمون میں وہ لبنان کے ایک سفر کی روداد بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''میں ۲۰۰۷ء میں لبنان گئی۔ وہاں میں نے چار دن خواتین یونیورسٹی کی طالبات کے ساتھ گزارے۔ وہ سب کی سب مکمل طور پر باحجاب تھیں۔ ان کا لباس بیلٹ والی قمیصوں اور پاجاموں یا جینز پر مشتمل تھا۔ ان کے بال پوری طرح ڈھکے ہوئے تھے۔ وہ دلکش، خودمختار، پراعتماد اور بے لاگ وصاف گو تھیں۔ وہ ہرگز غیرضروری طور پر شرمیلی، بزدل، کم اعتماد اور جلد شادی پر مجبور کردی جانے والی ویسی بے بس لڑکیاں نہیں تھیں جیسا ہم مغرب میں اکثر ایسی باتیں پڑھنے اور سننے کی وجہ سے سمجھتے ہیں۔''

عورتوں پر ظلم کی وجہ کلچر ہے اسلام نہیں

ممتاز برطانوی اخبار گارجین میں تین نومبر ۲۰۱۰ء کو شائع ہونے والے اپنے مضمون میں لارن بوتھ وضاحت کرتی ہیں کہ اسلام عورتوں کو تمام حقوق دیتا ہے اور مسلم ملکوں میں عورتوں پر جن زیادتیوں کا مغربی دنیا میں بہت ذکر ہوتا ہے وہ مختلف ملکوں میں رائج اسلام سے انحراف پر مبنی طور طریقے اور حکومتی قوانین ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ بتاتی ہیں کہ بالعموم مسلمان عورتیں پوری آزادی اور تمام حقوق کے ساتھ خاندانی زندگی گزارتی ہیں۔

اپنے قبول اسلام کی روداد بیان کرتے ہوئے وہ کہتی ہیں:

''آیئے اب ہم سب ایک گہرا سانس لیں جس کے بعد میں آپ کو ایک دوسری دنیا کی کچھ جھلکیاں دکھلاؤں گی جو اکیسویں صدی میں اسلام کی دنیا ہے۔ بہت سے ملکوں اور کلچروں میں، جن میں اسلامی اور غیراسلامی دونوں قسم کے معاشرے شامل ہیں، عورتیں مردوں کے ہاتھوں جس خوفناک بدسلوکی کا نشانہ بنتی ہیں، بلاشبہ ہم اس کی بدنمائی کو کم نہیں کرسکتے۔ تاہم جو عورتیں اپنے مرد رشتہ داروں کی جانب سے بدسلوکی کا نشانہ بنتی ہیں، ان کے ساتھ یہ برتاؤ خدا نہیں، مرد کررہے ہیں۔ ''اسلامی'' ملکوں میں رائج بیشتر رویے اور قوانین، ثقافتی اور روایتی رسوم و رواج پر مبنی ہیں، جو ان معاشروں میں داخل کردیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر سعودی عرب میں عورتوں کو گاڑی چلانے

کی اجازت نہیں ہے۔ یہ قانون سعودی بادشاہت کی ایجاد ہے، جو اسلحہ اور تیل کی تجارت میں ہماری حکومتوں کی قریبی حلیف ہے۔'' اس تناظر میں مغرب کے حکمرانوں پر طنز کرتے ہوئے لارن کہتی ہیں'' عورتوں کے حقوق کی جنگ کو لازماً ہماری اپنی حکومتوں کی ضرورت کے مطابق ہونا چاہیے۔''

عرب ملکوں میں مسلسل سفر کر کے انہوں نے جو کچھ دیکھا، اس کی بناء پر بتاتی ہیں کہ مسلمان خواتین حجاب کے قوانین کی پابندی کرنے کے باوجود زندگی کے ہر میدان میں کسی دشواری کے بغیر سرگرم عمل ہیں اور کسی حق تلفی کا شکار نہیں ہیں۔ لکھتی ہیں:

''رملہ کے اپنے پہلے سفر، اور اس کے بعد فلسطین، مصر، اردن اور لبنان کے بہت سے دوروں میں میرا بااختیار مردوں سے ملنا جلنا رہا۔ اور پیارے قارئین، ان میں سے دو ایک تو ویسی خوفناک داڑھیوں والے بھی تھے، اپنی بمباری کے نتیجے میں جن کے پرخچے اڑتے، ہم اکثر دور دراز کے خبرناموں میں دیکھتے ہیں۔ ہر عمر کی ایسی بہت سی عورتوں سے بھی میرا ربط ضبط رہا جو سب کی سب سر ڈھانکتی تھیں اور بااختیار مناصب پر بھی فائز تھیں۔'' اپنے ان مشاہدات کے پیش نظر وہ اپنے مغربی قارئین سے کہتی ہیں'' آپ اس بات پر یقین کریں یا نہ کریں، مسلمان عورتیں تعلیم یافتہ ہوسکتی ہیں، ویسے ہی جان لیوا اوقات میں کام کرسکتی ہیں جن میں ہم کرتے ہیں، حتیٰ کہ اپنے شوہر کو اس کے دوستوں کے سامنے غصہ بھرے لہجے میں حکم دے سکتی ہیں کہ وہ جا کر کھانا پکانے کا کام مکمل کرے یہاں تک کہ وہ اس مقصد کے لیے کمرے سے چلا جائے۔''

لارن کی بیٹیوں کا بے ساختہ اظہار مسرت

اسلام کی تعلیمات کس قدر فطری ہیں اور فطرت پر قائم ذہن کس طرح ان کا بے ساختہ خیر مقدم کرتا ہے، اس کا ایک دلچسپ اور چشم کشا مظاہرہ اس وقت ہوا جب لارن بوتھ نے اپنی بچیوں کو اپنے قبول اسلام کے بارے میں بتایا۔ اس واقعے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لارن لکھتی ہیں:

''مجھ سے پوچھا گیا ہے: کیا میری بچیاں بھی مسلمان ہوجائیں گی؟ میں یہ بات نہیں جانتی

کیونکہ اس کا انحصار اُن کے اوپر ہے۔آپ کسی کا دل نہیں بدل سکتے۔لیکن ان کا رویہ یقینی طور پر مخالفانہ نہیں ہے،اور میرے تبدیلی مذہب کے اقدام پر ان کا ردعمل شاید سب سے زیادہ قابل ذکر چیز ہے۔''

لارن بتاتی ہیں کہ اپنی بچیوں کو یہ اطلاع دینے کے لیے وہ اپنے کچن میں بیٹھ گئیں اور بچیوں کو آواز دے کر وہاں بلالیا۔انہوں نے بچیوں سے کہا:''میری بیٹیو، میرے پاس تمہارے لیے ایک خبر ہے، اور وہ یہ کہ میں مسلمان ہوگئی ہوں۔'' لارن کے بقول یہ بات سن کر وہ حیرت کے ساتھ ایک دوسرے سے چمٹ گئیں اور بڑی بچی ایلکس نے کہا''ہمیں کچھ سوال کرنے ہیں، ہم ابھی واپس آتے ہیں۔'' لارن کہتی ہیں''اس کے بعد انہوں نے ایک فہرست بنائی اور واپس آگئیں۔ بڑی بیٹی ایلکس نے اپنا گلا صاف کیا اور بولی:

''کیا آپ اب بھی شراب پئیں گی؟ میرا جواب تھا: نہیں۔بچیوں کا ردعمل حیرت آمیز اور مثبت تھا۔انہوں نے دوسرا سوال پوچھا: کیا آپ سگریٹ پئیں گی؟ سگریٹ حرام نہیں ہے مگر نقصان دہ ضرور ہے، اس لیے میں نے جواب دیا: نہیں۔اس پر بھی بچیوں کے رویے سے اطمینان کا اظہار ہوا۔تاہم ان کے آخری سوال نے مجھے حیرت زدہ کردیا۔انہوں نے کہا: اب جبکہ آپ مسلمان ہوچکی ہیں تو کیا اب بھی آپ اپنا سینہ لوگوں کے سامنے نمایاں کریں گی؟''

لارن کہتی ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ میرا یہ طرز عمل انہیں شرمندگی میں مبتلا کرتا تھا چنانچہ انہوں نے اپنی بچیوں کے اس سوال کے جواب میں کہا''اب جبکہ میں مسلمان ہوگئی ہوں، میں کبھی بھی اپنا سینہ لوگوں کے سامنے نمایاں نہیں کروں گی۔'' لارن کے مطابق اس پر بچیوں نے خوش ہوکر نعرہ لگایا''ہم اسلام سے محبت کرتے ہیں'' اور کھیلنے کے لیے چلی گئیں۔'' لارن کی اس تحریر کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے''اور میں بھی اسلام سے محبت کرتی ہوں''۔

نومسلم امریکی خواتین کے جذبات واحساسات: ایک تحقیقی مطالعہ

کیرل ایل اینوے (Carol L. Anway) امریکہ کی ایک خاتون ماہر تعلیم ہیں۔

Daghters of Another Path: Experiences of American Women Choosing Islam

(دخترانِ راہِ دیگر: اسلام کا انتخاب کرنے والی امریکی عورتوں کے تجربات)

امریکی عورتوں میں اسلام کی مقبولیت کے بڑھتے ہوئے رجحان پر اُن کی نہایت معلومات افزا کاوش ہے۔ اس کتاب کا محرک خود اُن کی بیٹی جوڈی کے قبول اسلام کا واقعہ بنا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک ماں کی حیثیت سے ہمدردانہ طور پر جاننا چاہا کہ آخر امریکی عورتیں بڑے پیمانے پر اسلام کی جانب کیوں راغب ہو رہی ہیں۔

دس ابواب پر مشتمل اس کتاب کے پہلے باب ''امریکہ میں عورتیں مسلمان ہو رہی ہیں'' (Women Becomming Muslim In America) میں مصنفہ نے اپنے ذاتی حوالے سے کتاب کے محرکات اور پس منظر پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ کتاب کی تیاری کے لیے ساڑھے تین سو نو مسلم امریکی خواتین میں سوالنامے تقسیم کیے گئے۔ ان میں سے ۵۳ کی جانب سے مفصل جوابات موصول ہوئے۔ اوکلاہاما، کینساس، میسوری، ورجینیا، نیوجرسی، انڈیانا، اوریگن، الباما، ٹیکساس، کیلیفورنیا، لوزیانا، واشنگٹن، الی نوائے، پنسلوانیا، ارکنساس، وَرمونٹ، اور اونٹاریو کے علاقوں سے تعلق رکھنے والی اکیس سے لے کر ستاون برس تک کی ان ۵۳ عورتوں نے کیرل اینوے کے مطابق کئی گھنٹے صرف کر کے اس سوالنامے کا جواب بڑی توجہ اور محنت سے لکھا۔

ان میں گریجویشن سے لے کر ڈاکٹریٹ تک کی سطح کی خواتین شامل تھیں۔ سروے کے وقت ان میں سے ۴۰ فی صد اکیس سے تیس اور ۴۸ فی صد اکتیس سے چالیس سال تک کی تھیں۔

ان خواتین میں چھ ماہ سے تین سال قبل مسلمان ہونے والیوں کا تناسب ۳۲ فی صد اور چار سے چھ سال پہلے اسلام قبول کرنے والیوں کا ۲۴ فی صد تھا جبکہ سات سے دس سال پہلے مسلمان ہونے والی عورتوں کی شرح ۲۰ فی صد اور باقی ۲۴ فی صد کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی مدت گیارہ سے بائیس سال پر محیط تھی۔

ان نومسلم خواتین میں سے چالیس فی صد گھر سے باہر کل وقتی یا جزوقتی ملازمت کرتی جبکہ بارہ فی صد کالج میں زیر تعلیم تھیں۔ تقریباً پچاس فی صد مکمل طور پر خانہ داری کرتی تھیں۔ ان میں

سے کم وبیش ۹۰ فی صد شادی شدہ اور ۷۵ فی صد بچوں والی تھیں۔

جہاں تک اسلامی احکام پر عمل کا تعلق ہے تو ان میں سے دو کے سوا سب ہمہ وقت احکام حجاب کی پابندی کرتی تھیں۔ جبکہ سوالنامے کے جوابات کے مطابق ان سب کی جانب سے روزانہ کی نمازوں اور رمضان کے روزوں نیز اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کا پورا اہتمام کیا جاتا تھا۔ ان میں سے ۱۸ فی صد نے بتایا کہ ان کے ہاں اسلامی طریقے سے ذبح کیے گئے گوشت کے علاوہ بھی گوشت کھایا جاتا ہے تاہم سور کا گوشت جس کی اسلام میں سخت ممانعت ہے، اس سے مکمل اجتناب کیا جاتا ہے۔

سروے میں شامل شادی شدہ خواتین نے بتایا کہ ان کی ازدواجی زندگی کامیاب اور خوشگوار ہے۔ کیرل اینوے کے مطابق ان خواتین کا کہنا تھا کہ اسلامی سیٹ اپ میں انہیں جو مقام حاصل ہے وہ اس سے بہت مطمئن ہیں۔ ان خواتین کے جوابات کی روشنی میں جو مجموعی نتیجہ مصنفہ نے اخذ کیا وہ یہ ہے:

''میڈیا میں اکثر سنائی جانے والی منفی کہانیوں کے برعکس ان خواتین کے جوابات سے واضح ہے کہ اسلامی طرز حیات کو اپنانے کے فیصلے پر ان کا ردعمل نہایت مثبت ہے .... اس مطالعے میں شامل بیشتر عورتیں اُس مخصوص طرز زندگی کو اپنانے کے فیصلے پر تکمیل اور مسرت کے احساس سے سرشار پائی گئیں جس کا نام ہے، اسلام۔''

امریکی نومسلمات ہم وطنوں کو حقائق سے آگاہ کرتی ہیں

کتاب کے دوسرے باب سے نویں باب تک ان نومسلم خواتین کی ابتدائی زندگی، عیسائی گھرانوں میں ان کی پیدائش اور پرورش، پھر ان کی جانب سے مسلمان ہونے کے فیصلے، اس پر والدین اور دوسرے رشتہ داروں اور احباب کے ردعمل، ان کے ساتھ روابط، اسلامی احکام پر عمل کے تجربے پر تاثرات، شادی، شوہر اور سسرالی عزیزوں سے تعلقات، اور امریکی معاشرے میں مسلمان بچوں کے احوال و معاملات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جبکہ دسویں اور آخری باب کا عنوان ہے:

The Daughters Speakout:

What Muslim Converts Would Like Us to Know

اس باب میں سروے میں شامل خواتین نے اسلام کے بارے میں اپنے تجربے کی روشنی میں اظہار خیال کیا ہے اور اپنے ہم وطنوں کی ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے جو اسلام مخالف پروپیگنڈے کے نتیجے میں عام طور پر پائی جاتی ہیں، حقیقی صورت حال بیان کی ہے۔ اس باب سے چند اقتباسات ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ کتاب میں خواتین کے نام نہیں دیے گئے ہیں۔

- میں امریکی عوام کو بتانا چاہتی ہوں کہ ہم ان ہی جیسے لوگ ہیں۔ ہم اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے محنت مزدوری کرتے ہیں (ہم سب تیل کی دولت کے مالک نہیں ہیں)۔ ہم آنے والے دن کے بارے میں فکرمند ہوتے ہیں۔ ہم امن کے خواہش مند ہیں۔ بات بس اتنی ہے کہ ہمیں کچھ مذہبی عقائد پر یقین واثق حاصل ہوا اور اب ہم اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میرے شوہر نے مجھے یہ لباس پہننے پر مجبور نہیں کیا، میں مظلوم اور محکوم نہیں ہوں۔ میں فی الحقیقت اب آزاد ہوئی ہوں... میں اب فیشن، کپڑوں، بالوں، جوتوں اور ایسے ہی دوسرے فکر کے بندھنوں سے آزاد ہوں۔ مجھے اور میرے بچوں کو، قرض کی ادائیگی کے بعد، وراثت میں شرکت کی ضمانت دی گئی ہے۔ میں امریکہ اور امریکیوں سے نفرت نہیں کرتی۔ میں مسیح علیہ السلام سے اب بھی محبت کرتی ہوں اور اسی خدائے واحد کی عبادت کرتی ہوں جس کی بندگی کی تعلیم انہوں نے دی تھی۔ یہودیوں اور اسرائیل سے بھی میں نفرت نہیں کرتی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں وہاں رہنے کی خواہش مند ہوں اگر مجھے یقین ہو کہ وہاں مجھ پر ظلم و تشدد نہیں کیا جائے گا۔ مجھے جس چیز سے نفرت ہے وہ ہے: بے انصافی، جھوٹ، بد اعمالی، احکام الٰہی سے انحراف، تعصب، دانستہ اسقاط حمل، گوشت کا گدوانا، اور اللہ کی ہر نافرمانی کیونکہ میں خدا سے محبت کرتی ہوں۔ (ص: ۱۶۰-۱۶۱)
- میں نے اس راستے کا انتخاب اس لیے کیا ہے کیونکہ میں اسے پسند کرتی ہوں۔ میں نے کوئی ایسی چیز ترک نہیں کی جسے میں چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ میری برین واشنگ نہیں کی گئی ہے۔ میں سوچنے سمجھنے کی مکمل اہلیت رکھنے والی تعلیم یافتہ عورت ہوں۔ میں اپنے ملک کی غدار نہیں

مگر عالمی سطح پر ایک نظریے کی حامی اور وکیل ضرور ہوں۔ میرا شوہر موجود ہو یا نہ ہو، میں ہمیشہ مسلمان رہوں گی۔ میں اپنے شوہر کی محبت کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوئی ہوں۔ میں اپنے بچوں کو بھی مسلمان کی حیثیت سے پروان چڑھانا چاہتی ہوں۔ میں امید رکھتی ہوں کہ وہ بھی مسلمان ہوں گے اور میری بیٹی حجاب کے اسلامی احکام پر عمل کرے گی۔ (ص:۱۶۰)

- واحد چیز جسے امریکیوں کو جاننا چاہیے میری رائے میں یہ ہے کہ اگر کوئی مرد یا عورت اسلام قبول کرتا ہے تو یہ اس لیے نہیں ہوتا کہ ہمیں اس پر مجبور کیا جاتا ہے۔ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو نماز پڑھنے، عربی سیکھنے، لمبی آستین کا لباس پہننے، بال ڈھکنے، یا اور کسی ایسے عمل پر مجبور نہیں کرسکتا جو ایک مسلمان کو لازماً کرنا چاہیے۔ ہم امریکی ہیں اور ہم دوسرے امریکیوں کی طرح اس نظریے کی حمایت کرنے اور اس کے لیے کام کرنے کا حق رکھتے ہیں جس پر ہمارا یقین ہے۔ (ص:۱۶۲)

- بعض لوگ جو اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلانا چاہتے ہیں کہتے ہیں کہ اسلام میں عورتوں سے دوسرے درجے کے شہریوں والا سلوک کیا جاتا ہے، یا یہ کہ اسلام میں عورت، مرد سے کمتر سمجھی جاتی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے شوہر اور بچوں کو کھانا کھلائے اور پھر جو کچھ بچ رہے وہ خود کھائے۔ یہ بات حقیقت کو بھونڈے طریقے سے مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ بلاشبہ بعض اوقات عورتیں اپنے گھر کے دیگر افراد کو کھانا کھلانے کے بعد خود کھاتی ہیں لیکن یہ کوئی سزا یا ان کے عورت ہونے کی وجہ سے ان کے خلاف کسی فیصلے کا نتیجہ نہیں۔ مسلمان عورت ایسا اپنی محبت اور احساس ذمہ داری کے تحت کرتی ہے۔ (ص:۱۶۳)

- میں محکوم و مجبور نہیں ہوں، مناسب لباس پہننے سے عورت کے مرتبے میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ میں امریکہ کے لوگوں کو بتانا چاہوں گی کہ میرا شوہر کپڑے دھوتا ہے، گھر کی صفائی میں مدد کرتا ہے (حتیٰ کہ ٹوائلٹ باؤل کی صفائی بھی کرتا ہے)، اور بچوں کی دیکھ بھال میں تعاون کرتا ہے جس کی بناء پر میرا باہر جانا ممکن ہوتا ہے۔ بتایئے اس کے مقابلے میں نام نہاد آزادی یافتہ

عورت کا حال کیا ہے؟ مسلمان عورت شادی کے بعد اپنا نام نہیں بدلتی۔ ہمارے لیے اپنے شوہر کے نام کو اپنے نام کا حصہ بنانا ضروری نہیں۔ ان شاء اللہ جب میری بیٹی کی شادی ہوگی تو اس کا نام پہلے کی طرح باقی رہے گا کیونکہ اسلام میں اس کی انفرادی حیثیت، ایک برابر کا مرتبہ رکھنے والے انسان کی حیثیت مسلّمہ ہے، اسے کسی خطِ الحاق کی ضرورت نہیں۔ (ص:۱۶۳)

- امریکہ میں سارے مسلمان غیر ملکی یا افریقی۔ امریکی نہیں ہوتے۔ اس ملک میں بہت سے گورے امریکی بھی مسلمان ہیں۔ بہت سے لوگوں کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہوتا ہے کہ آپ ایک ہی وقت میں گورے بھی ہوسکتے ہیں امریکی بھی اور مسلمان بھی۔ ہم عیسائی عورتوں یا کسی بھی مذہب اور قوم کی عورتوں کے مقابلے میں زیادہ حقوق رکھتے ہیں۔ (ص:۱۶۴)
- مجھے ان مسلمانوں کو دیکھ کر نہ جانچیے جو اسلام کے نام پر خلاف اسلام کام کرتے ہیں۔ آپ مجھے براہ راست جاننے کی کوشش کیجیے۔ اسلام سے خوف زدہ نہ ہوں۔ مشرق وسطیٰ امور کے نام نہاد مغربی ماہرین کے مقالوں کے ذریعے اسلام کو جاننے کے بجائے ہم سے ان کتابوں کے بارے میں معلومات حاصل کیجیے جو حقیقی اسلام کی نمائندگی کرتی ہیں۔ میرے لباس کو دیکھ کر یہ نہ سمجھیے کہ اسے پہننے پر مجھے مجبور کیا گیا ہے۔ یہ وہی لباس ہے جو ابراہیم علیہ السلام کی بیوی اور عیسیٰ علیہ السلام کی ماں کا تھا۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ یہ ہمارے ورثے کا حصہ ہے۔ (ص:۱۶۴-۱۶۵)
- میں لوگوں کو بتانا چاہتی ہوں کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے میں مظلوم اور مجبور نہیں ہوگئی ہوں۔ میں انہیں بتانا چاہتی ہوں کہ اسلام عورتوں کو آزادی عطا کرتا ہے، اور یہ کہ میں اسی ایک خدا کی بندگی کرتی ہوں جو عیسائیوں اور یہودیوں کا خدا بھی ہے، اور یہ کہ سارے مسلمان دہشت گرد نہیں ہیں۔ میری خواہش ہے کہ لوگ کھلے ذہن سے حقائق کو سمجھیں اور لاعلمی سے باہر آئیں۔ باحجاب عورتوں کا مذاق اڑانا بند کریں، یہ ان عورتوں کا حق ہے، اُن کے شوہروں یا باپوں نے انہیں اس پر مجبور نہیں کیا۔ آپ ہمیں امریکیوں کی حیثیت سے تسلیم کریں، خود بھی جئیں اور دوسروں کو بھی جینے دیں۔ (ص:۱۶۶)

• ہم احمق نہیں ہیں، ہم نے اسلام اللہ کی غلامی کے لیے قبول کیا ہے، اپنے مَردوں کی غلامی کے لیے نہیں، اور ہم اپنے انتخاب پر خوش ہیں۔ (ص:۱۶۶)

• محض یہ بات کہ میں اپنا سر ڈھانکتی ہوں، مجھے کوئی عجوبہ، بنیاد پرست، کچلی ہوئی یا بے بس عورت، نہیں بناتی۔ (ص:۱۶۶)

• ایک بہت بڑی غلط فہمی یہ بھی ہے کہ امریکہ میں رہنے والے تمام مسلمان مشرق وسطیٰ سے تعلق رکھتے ہیں یا اس علاقے کے کسی فرد سے شادی کی وجہ سے مسلمان ہوئے ہیں۔ بات یہ نہیں ہے۔ یہاں ہزاروں ایسے امریکی مسلمان ہیں جنھوں نے اسلام کے بارے میں دوسرے امریکی مسلمانوں سے آگہی پائی۔ میں اور میرے شوہر دونوں اس حقیقت کی ایک مثال ہیں۔ (ص:۱۶۶-۱۶۷)

• میری پوری زندگی میں سب سے خوشگوار واقعہ میرا مسلمان ہونا ہے۔ میرے مذہبی اور سیاسی نظریات بہت سے امریکیوں سے مختلف ہوسکتے ہیں، مگر میں امید کرتی ہوں کہ وہ اس حقیقت کو کھلے ذہن سے تسلیم کریں گے کہ ''اختلاف'' اور ''برائی'' ہمیشہ برابر نہیں ہوتے۔ مسلمان عورتیں (جنھیں اسلام کے تحت ان کے حقوق دیے گئے ہیں) وہ نہ اپنے گھروں کے اندر زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں، نہ انھیں مارا پیٹا اور ٹارچر کیا جاتا ہے۔ ہم اسی معاشرے کا حصہ ہیں، اور ایک انتہائی اہم مقصد رکھتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا ''قومیں ماؤں کی گودوں میں پروان چڑھتی ہیں''۔ ہمارے سامنے کرنے کا ایک بہت اہم کام ہے۔ مجھے امید ہے کہ امریکی عوام اس کام کی اہمیت کو گھٹانے سے اجتناب کریں گے۔ (ص:۱۶۷)

• امریکیوں کو سمجھنا چاہیے کہ مسلمان صرف اس بات کے لیے کوشاں ہیں کہ وہ اپنی زندگیاں اللہ کی رضا کے مطابق گزار سکیں۔ ہمارا دین بہت غلط سمجھا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارا دین دنیا میں سب سے زیادہ تیز رفتاری سے پھیلنے والا مذہب بھی ہے۔ دس سال میں اسلام ان شاء اللہ امریکہ کا دوسرا بڑا مذہب ہوگا۔ امریکی عیسائیت سے اسلام کی طرف کیوں آرہے

ہیں؟ امریکیوں کو گھسے پٹے خیالات کو ترک کر کے حقیقی اسلام سے واقفیت حاصل کرنی چاہیے، جو امن کا مذہب ہے اور جس کے ماننے والے ہر روز زیادہ سے زیادہ بڑھ رہے ہیں۔ اسلامی معاشرے سے وابستگی کا مطلب جنونی یا تشدد پسند بن جانا نہیں ہے۔ اس کے برعکس اس کا مطلب ایسی جمعیت سے رشتہ جوڑنا ہے جس کے وابستگان اللہ کے بتائے ہوئے اخلاقی ضابطوں نیز مذہبی فرائض اور سماجی قوانین پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اسلام ہماری پوری زندگی پر حکمرانی کرتا ہے۔ یہ تمام زمانوں اور تمام لوگوں کے لیے ہے۔ اگر امریکی اسلام کو قریب سے دیکھیں اور اس سے آگہی حاصل کرنے کی کوشش کریں تو اسے یقیناً سمجھ سکتے ہیں۔ (ص:۱۶۷)

- اسلام عورتوں کے لیے کوئی قید خانہ نہیں جیسا کہ امریکہ میں برسوں سے سمجھا جاتا ہے۔ ہر شائستہ اور مہذب معاشرے کی طرح اسلام بھی معقول رہنما خطوط اور قوانین رکھتا ہے، تاہم اسلام میں لچک ہے جبکہ بعض دوسرے قوانین ''پتھر کی تحریر'' اور ان میں کسی بھی صورت کوئی رعایت ممکن نہیں۔ (ص:۱۶۸)

- میری خواہش ہے کہ امریکی عوام اس حقیقت کو سمجھیں کہ مسلمان عورتیں دوسرے درجے کی شہری نہیں ہوتیں۔ ہم اپنے شوہروں کے پیچھے نہیں گھومتے۔ ہمیں ناقابل تنسیخ حقوق حاصل ہیں۔ اسلام کوئی انتہا پسندی کا مذہب نہیں ہے۔ اسلام ہمیشہ اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام کوئی عرب، یا افریقی۔ امریکی چیز نہیں۔ یہ دین تمام انسانوں اور تمام قوموں کے لیے ہے۔ اسلام امن اور حقیقی خوشی کا مذہب ہے۔ (ص:۱۶۸)

- اگر آپ کبھی یہ جان سکیں کہ اسلام فی الحقیقت کیا ہے، تو آپ فوراً ہی اس کی محبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔ فی الحال یہ کہیں مکمل طور پر نافذ نہیں ہے اور ہمارے ذہنوں میں اس کا محض تصور ہے۔ اسلام میں شادی کے بندھن کو تحفظ دیا گیا ہے اور صنفی معاملات پردے میں رکھے گئے ہیں۔ یہ بندوبست ہمارے گلی کوچوں کو محفوظ رکھنے کے لیے ہے۔ یہ نظام قائم ہو تو آپ کے بچے جنسی بے راہ روی اور منشیات کی لعنت کا شکار نہیں ہوں گے۔ وہ اقدار پر مبنی تعلیم پائیں گے اور عملی

مہارت حاصل کریں گے۔آپ کے شوہر کی آمدنی خاندان کی کفالت کے لیے کافی ہوگی اورآپ آزاد ہوں گی کہ چاہیں تو کام کریں ورنہ تعداد پر کسی پابندی کے بغیر بچوں کی آرزو پوری کریں اور ان کی دیکھ بھال کریں ، یا تعلیم کے حصول اور دوسرے طریقوں سے زندگی میں آگے بڑھیں۔اسلام عملی شکل میں نافذ ہوتو لوگوں کو بے روزگار ہونے یا رہن رکھی جائیداد کے ضبط ہوجانے کا خوف نہیں ہوگا۔معیشت چھوٹے پیمانے پر مقامی کاروبار اورسود سے پاک بینک کاری نظام پر استوار ہوگی اورزندگی دوبارہ قابل برداشت ہوجائے گی۔(ص:۱۶۸)

- اسلام ایک نظام زندگی ہے۔اس میں زندگی کے ہر پہلو کے حوالے سے ہر سوال کا جواب موجود ہے۔میں نے بحیثیت طریقِ زندگی اسلام کا انتخاب اپنی آزادمرضی سے کیا،کسی کے دباؤ کی وجہ سے یا اپنے شوہر کی خاطرنہیں۔ مجھے اسلام سے محبت ہے اور میں محسوس کرتی ہوں کہ میں جب پیدا ہوئی تو مسلمان تھی مگر میری پرورش عیسائی کی حیثیت سے کی گئی۔اس لیے میں اب سچے اورسیدھے راستے کی طرف لوٹ آئی ہوں، میں نے راستہ بدلانہیں ہے۔(ص:۱۶۹)

- بحیثیت مسلمان عورت میں کہنا چاہوں گی کہ اسلام نے مجھے کئی طرح سے آزادی عطا کی ہے۔بیشتر امریکی مسلمان عورتوں کو مجبور ومظلوم سمجھتے ہیں،لیکن میں انہیں بتانا چاہتی ہوں کہ اگرمسلمان عورتیں کسی معاشرے میں مظلوم ہیں تو اس کی وجہ اصل اسلام کو چھوڑ دینا اور اپنے ملک کے رسوم ورواج پر عمل کرنا ہے۔اسلام اس سارے کوڑے کرکٹ کو دور پھینک دیتا ہے جوعورتوں کو پستی میں دھکیلنے کا سبب ہے اورانہیں عزت نفس اورخوداعتمادی کے بلند مرتبے پر فائز کرتا ہے۔ اکثر امریکی عورتیں سمجھتی ہیں کہ وہ کرۂ ارض پرسب سے زیادہ آزادی یافتہ عورتیں ہیں تاہم وہ محکومی ومجبوری کے بندھنوں سے حقیقتاً نجات حاصل نہیں کرسکی ہیں۔ہر وہ عورت جسے مسترد کردیے جانے کے خوف سے اپنے جسم کو پرکشش بنائے رکھنا پڑتا ہو، ہر وہ عورت جسے ''توجہ'' حاصل کرنے کے لیے اپنے بدن کی نمائش کرنی پڑتی ہو، ہر وہ عورت جسے اپنے مرد ساتھی کے مقابلے میں یکساں کام کا کم معاوضہ ملتا ہو،ایسی تمام عورتیں اب بھی ظلم کا شکار ہیں۔اورصورت حال سے نجات پانے

کا واحد طریقہ ان زنجیروں کو توڑ کر اپنی زندگی میں اللہ اور اسلام کو قبول کر لینا ہے۔(ص:۱۶۹)

• امریکی مسلمان عورت مظلوم نہیں ہے۔ حجاب ہمارا حق ہے، سزا نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مغربی طرز زندگی ہم سے آگے نہیں' ایک قدم پیچھے ہے۔ مشرق وسطیٰ کی عورتیں امریکی طرز زندگی کی نام نہاد شان و شوکت کو حسرت سے دیکھ سکتی ہیں کیونکہ ان کے ملکوں میں مقامی طور طریقوں پر عمل کیا جاتا ہے، اسلام پر نہیں۔ اگر میری مشرقی بہنوں کے ملکوں میں اسلام پر فی الواقع عمل ہو رہا ہوتا تو آج مغرب کی عورتیں اسلامی حقوق کے لیے لڑ رہی ہوتیں۔(ص:۱۶۹)

مغربی عورتوں کے قبول اسلام کے اسباب
کرسچین سائنس مانیٹر کی تجزیاتی رپورٹ

مغرب میں قبول اسلام کے بڑھتے ہوئے رجحان اور اسلام سے عورتوں کی خصوصی دلچسپی کے بارے میں عالمی ذرائع ابلاغ میں وقتاً فوقتاً خبریں اور تجزیے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ایسی ہی ایک تجزیاتی رپورٹ ممتاز امریکی اخبار کرسچین سائنس مانیٹر کے ۲۷ دسمبر ۲۰۰۵ء کے شمارے میں شامل کی گئی جس کا عنوان ہے:''وائی یورپین ویمن آر ٹرننگ ٹو اسلام؟''(یورپی عورتیں اسلام کی جانب کیوں مائل ہو رہی ہیں؟)

کرسچین سائنس مانیٹر کے اسٹاف رائٹر پیٹر فورڈ کی مرتب کردہ اس رپورٹ کے مطابق:

''مسلم اور غیر مسلم تحقیق کار دونوں کہتے ہیں کہ نائن الیون کے بعد اسلام کے بارے میں اُبھرنے والے تجسس کی بناء پر اسلام کا پیغام زیادہ سے زیادہ یورپی باشندوں کو اپیل کرنے کا باعث بن گیا ہے۔ متعین اعداد و شمار تو دستیاب نہیں مگر یورپ میں مسلمانوں کی آبادی پر نظر رکھنے والے مبصرین کا اندازہ ہے کہ ہر سال کئی ہزار مرد اور خواتین اسلام قبول کرتے ہیں۔ یہ محققین نشان دہی کرتے ہیں کہ مسلمان ہونے والوں میں سے ایک بہت ہی چھوٹا سا حصہ اسلام کے ریڈیکل تصور کی طرف مائل ہوتا ہے اور ان میں سے بھی بمشکل چند تشدد کا راستہ اپناتے ہیں۔ جبکہ اب تک محض مٹھی بھر نو مسلم دہشت گرد کارروائیوں کے مجرم ٹھہرے ہیں۔''

مؤقر امریکی جریدے کے اخذ کردہ یہ نتائج اس امر کا کھلا اعلان اور اعتراف ہیں کہ اسلام کو دہشت گردی کا مبلغ قرار دینا قطعی بد دیانتی ہے اور اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

اخبار لکھتا ہے: ''اگرچہ مردوں کے مقابلے میں قبول اسلام کا رجحان عورتوں میں زیادہ ہے لیکن ماہرین کا کہنا ہے کہ عام خیال کے برعکس اس کا سبب مسلمان مردوں سے شادی نہیں اور بہت کم ہی عورتیں اس بناء پر اسلام قبول کرتی ہیں۔'' رپورٹ کے مطابق، قبولِ اسلام میں شادی کے کردار کے حوالے سے برمنگھم یونیورسٹی کی معلّمہ ڈاکٹر حنیفہ جواد کا کہنا ہے کہ ''ماضی میں اگرچہ یہ ایک عمومی سبب تھا مگر اب زیادہ تر عورتیں اپنے یقین کی بنیاد پر مسلمان ہو رہی ہیں۔''

رپورٹ میں ایک فرانسیسی نومسلمہ کے قبول اسلام کے اسباب اس کی اپنی زبانی یوں تحریر کیے گئے ہیں:

''مسلمان ہونے والی ہزاروں یورپی خواتین میں سے ایک فرانس کی مس میری فیلوٹ بھی ہے۔ وہ تین سال پہلے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئی تھی۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ کیا اس کی محبت اس کے اس فیصلے کا سبب بنی ہے؟ تو اس نے ہنستے ہوئے کہا ''جب میں نے اپنے دفتر کے ساتھیوں کو بتایا کہ میں مسلمان ہوگئی ہوں تو ان کا پہلا سوال یہی تھا کہ کیا تمہارا کوئی مسلمان بوائے فرینڈ ہے؟ انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ فیصلہ میں نے اپنی آزاد مرضی سے کیا ہے۔'' مس فیلوٹ کے بقول اسلام کا راستہ اُس نے اِس لیے اپنایا ہے کیونکہ:

''اسلام اللہ تعالیٰ سے انسان کی قربت چاہتا ہے۔ اسلام زیادہ سادہ اور مکمل ہے۔ زیادہ صاف اور واضح ہے، اس لیے زیادہ آسان بھی ہے۔'' اس نوعمر فرانسیسی نومسلمہ نے اپنے قبول اسلام کے اسباب کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا: ''مجھے زندگی بسر کرنے کے لیے ایک لائحۂ عمل کی تلاش تھی۔ ہر انسان کو ایسے ضوابط اور رویوں کی ضرورت ہوتی ہے جن کے مطابق وہ زندگی گزار سکے جبکہ عیسائیت مجھے ایسے ریفرنس پوائنٹس نہیں دے سکی۔'' میری فیلوٹ کا کہنا ہے کہ ''اسلام میرے لیے محبت، برداشت اور امن کا پیغام ہے''۔

پیٹر فورڈ محققین کے حوالے سے کہتے ہیں کہ یہ وہ دلائل اور اسباب ہیں جو اسلام قبول کرنے والی بیشتر یورپی خواتین کے اندازِ فکر کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے مطابق عورتوں کی ایک بڑی تعداد مغربی معاشرے کی اخلاقی غیر یقینی اور غیر ذمہ دارانہ رویوں کے خلاف ردِعمل کا اظہار کررہی ہے۔ باہمی وابستگی و تعلق، ایک دوسرے کا خیال رکھنے اور ایک دوسرے کے معاملات اور مسائل میں شرکت کا جو شعور اسلام دیتا ہے، وہ مغرب کی عورتوں کے دل جیت رہا ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ڈچ خواتین کے قبولِ اسلام پر ریسرچ کرنے والی کیرین وین نیوکرک کے نزدیک مغربی عورتوں میں اسلام کی مقبولیت کا بڑا سبب "مردوں اور عورتوں کے الگ الگ دائرۂ کار اور حقوق و فرائض کا وہ واضح تصور ہے جو اسلامی تعلیمات فراہم کرتی ہیں۔ اسلام میں خاندان اور عورت کے مادرانہ کردار کا بڑا مقام ہے، یہاں عورتیں جنسی کھلونا نہیں ہوتیں۔"

کیرین وین نیوکرک، جن کی تالیف "ویمن امبریسنگ اسلام" کا ذکر سطور بالا میں آچکا ہے، اُن کی یہ رائے یقیناً بڑی اہمیت کی حامل اور انتہائی قابلِ توجہ ہے کیونکہ اسلام عورتوں کو ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کی حیثیت سے جو عزت اور احترام دیتا ہے مغربی معاشروں میں اس کا کوئی تصور نہیں۔ اس جنس زدہ تہذیب میں عورتوں کے حقوق اور آزادیٔ نسواں کے تمام دعووں کے باوجود عورت محض مردوں کا کھلونا ہے اور پچھلے صفحات میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسلام قبول کرنے والی مغربی خواتین اس حقیقت کا کس طرح کھل کر اظہار کرتی ہیں۔ مادّہ پرست معاشروں میں ایسا ہونا بالکل فطری ہے۔ جب روحانی زندگی اور آخرت کی کامیابی کا اعلیٰ نصب العین انسان کے پیش نظر ہی نہ رہے اور اس کی ساری تگ و دَو کا مقصد صرف حصولِ لذت ہو تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نکل ہی نہیں سکتا۔

مسلم اور غیر مسلم معاشرے کے رویوں کے اس فرق کو واضح کرتے ہوئے نیوجرسی میں رہنے والی لاطینی امریکن نومسلمہ جیسمین پائی نیٹ کہتی ہیں: "مسلمان مرد آپ کو 'ہائے میمی، تم کیسی ہو؟' کے الفاظ سے مخاطب نہیں کرتے بلکہ عام طور پر "ہیلو سسٹر" کہتے ہیں۔ وہ آپ کو ایک جنسی

کھلونا سمجھ کر نہیں گھورتے۔'' یہ اقتباس کرسچین سائنس مانیٹر کی ایک اور رپورٹ سے لیا گیا ہے جو ۲۷ دسمبر ۲۰۰۴ء کو ''لاطینی امریکی اسلام میں اپنے سوالوں کا جواب ڈھونڈتے ہیں'' کے عنوان سے شائع ہوئی تھی۔

کرسٹائن آرمیریو کی مرتب کردہ اس رپورٹ کا بنیادی موضوع ہی یہ ہے کہ مغرب میں قبول اسلام کے روزافزوں رجحان کا ایک اہم سبب وہ احترام ہے جو اسلام عورت کو عطا کرتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق امریکہ میں تقریباً چالیس ہزار لاطینی امریکی نومسلم ہیں جبکہ ہر سال تقریباً بیس ہزار امریکی مرد وخواتین اسلام قبول کرتے ہیں جن میں کم وبیش چھ فی صد لاطینی امریکی ہوتے ہیں۔ ان نومسلموں میں سے ایک بڑی تعداد کا کہنا ہے کہ ان کے قبول اسلام میں اس یقین واعتاد نے اہم کردار ادا کیا ہے کہ اسلام میں عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کیا جاتا ہے۔ تنقید کرنے والے کہہ سکتے ہیں کہ نقاب کی پابندی عورتوں کے ملکیت ہونے کی علامت محسوس ہوتی ہے لیکن کئی نومسلم لاطینی خواتین کا کہنا ہے کہ ان کے لیے یہ ایک خوشگوار حقیقت ہے کہ جب وہ راستے میں ہوتی ہیں تو کوئی انہیں دیکھ کر سیٹی نہیں بجاتا۔ جینی یانیز، جو ہزاروں لاطینی نومسلم خواتین میں شامل ہیں، کہتی ہیں کہ اسلامی لباس کے نتیجے میں ''لوگ فطری طور پر مجھے ایک مذہبی شخصیت کا سا اعزاز دیتے اور احترام کرتے ہیں۔''

تاہم اپنی تہذیب اور معاشرے سے بغاوت کا یہ عمل اپنے ساتھ مشکلات بھی لاتا ہے۔ حلقہ بگوش اسلام ہونے والی خواتین کو اپنے والدین اور عزیزوں کی طرف سے مزاحمت کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ نومسلم خواتین کے نزدیک اس کا سبب اسلام میں خواتین کے مقام کے حوالے سے پھیلائی گئی غلط فہمیاں ہیں۔ زیرنظر رپورٹ کے مطابق مسلمان ہوجانے والی کئی لاطینی امریکی خواتین نے بتایا کہ پہلے وہ اسلام میں عورتوں کے حقوق کے حوالے سے ان ہی گھسی پٹی باتوں سے واقف تھیں جو مغرب میں عام ہیں۔ لیکن جب مسلمانوں سے ان کا میل جول ہوا تو انہیں پتہ چلا کہ اسلامی معاشرے میں عورت کا مرتبہ کتنا بلند ہے۔ مس پائی نیٹ کے بقول ''اسلامی

معاشرے میں عورت کا احترام اس لیے کیا جاتا ہے کہ وہ ماں ہے، وہ بچوں کی پرورش ونگہداشت کرتی ہے، اور اصول وضوابط پر عمل کراتی ہے۔''

مغربی عورت بمقابلہ مسلمان عورت: ایک موازنہ

مغرب میں جہاں غیر یورپین تہذیبوں خصوصاً اسلامی تہذیب کے بارے میں علمی اور دانشورانہ سطح پر منفی سوچ اور رجحانات پائے جاتے ہیں، وہاں اس کے برعکس خیالات رکھنے والے اور مغرب کی سوچ اور اقدار پر تنقید کرنے والے دانش ور بھی موجود ہیں۔ سوئس نژاد کینیڈین ڈاکٹر میکاؤ بھی ان میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے ٹورنٹو یونیورسٹی سے انگریزی ادب میں ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ہے۔ گزشتہ عشرے میں ان کی چار تصانیف منظر عام پر آئی ہیں۔ ان کا ایک نہایت چشم کشا مضمون "Burka Vs Bikini - The Debauchery Of American Womanhood" (برقعہ بمقابلہ بکنی: امریکی نسائیت کی دُرگت) کے عنوان سے ستمبر ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا تھا جسے بڑی مقبولیت ملی اور وہ متعدد ویب سائٹوں اور جرائد کی زینت بنا۔ انہوں نے اسے ۲۴ ستمبر ۲۰۰۹ء کو اپ ڈیٹ کیا ہے اور اب یہ Bikini vs. Burka: The Debauchery of Women کے عنوان سے ان کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔[۶]

ہنری میکاؤ اپنی اس تحریر کا آغاز یوں کرتے ہیں:

''اپنے کمرے کی دیوار پر میں نے دو تصویریں لگا رکھی ہیں، ان میں سے ایک تصویر برقعے میں ڈھکی ایک مسلمان عورت کی ہے اور دوسری تصویر مقابلہ حسن کی شریک ایک امریکی عورت کی ہے جس کے بدن پر ایک بکنی کے سوا کچھ نہیں۔''

''ان میں سے ایک عورت لوگوں کی نگاہوں سے پوری طرح چھپی ہوئی ہے جبکہ دوسری ان کے سامنے مکمل طور پر عیاں ہے۔ یہ دو انتہائیں نام نہاد تہذیبوں کے تصادم کے بارے میں بہت کچھ بتا رہی ہیں۔''

اس کے بعد مسلم دنیا میں مغربی حکمرانوں کی حالیہ پالیسیوں کے اصل مقاصد سے پردہ

اٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عورت کا کردار کسی بھی ثقافت کا دل ہے۔مشرق وسطیٰ پر مسلط کی گئی جنگ،عربوں کا تیل چرانے کے علاوہ برقعے کو بکنی سے بدل کر، ان کے بدن سے ان کے مذہب اوران کی ثقافت کا لباس اتار دینے کے لیے بھی ہے۔''

معاشرے کی اخلاقی تعمیر میں برقعہ کیا کردار ادا کرتا ہے، اس بارے میں ڈاکٹر میکاؤ اپنا نقطہ نظر یوں پیش کرتے ہیں:

''میری نگاہ میں برقعہ شوہر اور اپنے اہل خانہ کے لیے عورت کی تخصیص اور تقدیس کی علامت ہے۔ اس طرح ایک عورت کے اہل خانہ ہی اُسے دیکھتے ہیں۔ برقعہ گھریلو زندگی کی رازداری اور اہمیت کو مستحکم کرتا ہے۔''

عورت کو شمع محفل کے بجائے چراغ خانہ بنانے کی اسلامی تعلیم کی حکمتوں کا اعتراف ڈاکٹر میکاؤ کی اس تحریر میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

''مسلمان عورت کی سرگرمیوں کا محور اس کا گھر ہے۔ یہ وہ آشیانہ ہے جہاں اس کے بچے جنم لیتے اور پروان چڑھتے ہیں۔ وہ ''گھر'' بنانے والی ہے۔ یہ گھر خاندان کی روحانی زندگی کو سیراب کرنے والا سرچشمہ ہے۔اس کے بچوں کی پرورش اور تربیت کا مرکز ہے اوراس کے شوہر کی تقویت کا باعث اور پناہ گاہ ہے۔''

مغربی تہذیب کے زیر اثر عورت کو گھر سے باہر نکال کر چوکوں اور چوراہوں کی زینت بنانے کے جو عبرت ناک نتائج اس کی حرمت اور تقدیس پر مرتب ہوئے ہیں، ان کا نقشہ ڈاکٹر میکاؤ نے نہایت جامعیت اور اختصار کے ساتھ اس طرح کھینچا ہے:

''اس کے برعکس بکنی پوش امریکن بیوٹی کوئین ٹی وی پر عملاً عریاں حالت میں لاکھوں لوگوں کے سامنے اِتراتی ہوئی آتی ہے۔اپنی حد تک وہ عورتوں کے حقوق کی علم بردار اور اپنی مالک آپ ہے مگر عملاً وہ پبلک پراپرٹی ہے۔وہ کسی کی نہیں اور سب کی ہے۔وہ اپنے جسم کو سب سے زیادہ بولی

لگانے والے کے ہاتھ فروخت کرتی ہے۔وہ خود کو ہمہ وقت نیلام کرتی رہتی ہے۔امریکہ میں عورت کی سماجی وثقافتی حیثیت کا پیمانہ اس کی صنفی کشش ہے۔(یہ اثاثہ کیونکہ تیزی سے فرسودگی کا شکار ہوتا اور اپنی قیمت کھوتا ہے اس لیے وہ اعصابی امراض میں مبتلا نظر آتی ہے اور وزن بڑھنے کے مسائل سے دوچار ہے)''۔

اس طرز زندگی کے نتیجے میں مغربی تہذیب میں عورت کی نسائیت کا قیمتی جوہر کس طرح برباد ہوتا ہے، ڈاکٹر میکاؤ اس کے چند اہم پہلوؤں پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

''نوعمری میں اس کے لیے قابل تقلید نمونہ برٹنی اسپئیرس جیسی گلوکارہ ہوتی ہے جس کا فن یکے بعد دیگرے کپڑے اتار کر تماشائیوں کو محظوظ کرنے سے ملتا جلتا ہے۔ برٹنی سے وہ یہ سیکھتی ہے کہ اسے محبت صرف اس صورت میں ملے گی جب وہ مردوں کے لیے جنسی جذبے کی تسکین کا ذریعہ بنے۔اس طرح وہ مخلصانہ باہمی تعارف، محبت اور شادی کا مطالبہ کرنے کے بجائے بددیانتی پر مبنی خفیہ جنسی تعلقات قائم کرنا سیکھتی ہے۔نتیجتاً اس کے شوہر سے پہلے ہی درجنوں مرد اس سے آشنا ہو چکے ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی معصومیت کھو بیٹھتی ہے جو اس کی شخصیت کی دلکشی اور جاذبیت کا اہم جزو ہے۔وہ سخت دل اور خودغرض بن کر محبت کرنے کی اہلیت سے محروم ہو جاتی ہے اور اپنے شوہر کے بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال کے قابل بھی نہیں رہتی۔''

عورت کے لیے ماں کے فطری کردار کی اہمیت اور مرد و عورت کے مزاج میں رکھے گئے قدرتی فرق کو واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر ہنری میکاؤ لکھتے ہیں:

''عورت کی شخصیت ماں اور بچے کے باہمی جذباتی تعلق پر استوار کی گئی ہے۔اس کی بنیاد ایثار و قربانی اور پیار و محبت پر رکھی گئی ہے۔مردانہ فطرت شکار اور شکاری کے باہمی تعلق پر مبنی ہے۔یہ جفاکشی اور دلیل و برہان کی اساس پر تشکیل دی گئی ہے۔''

آزادی نسواں کی تحریک دراصل نسوانیت کی موت کے مترادف ہے، اس اہم حقیقت کو ڈاکٹر میکاؤ نے یوں نمایاں کیا ہے:

”آزادیٔ نسواں کی تحریک عورتوں کو اس دھوکے میں مبتلا کرتی ہے کہ نسوانیت کا نتیجہ مظلومیت کی شکل میں نکلا ہے، اس لیے انہیں اس کے بجائے مردانہ رویہ اپنانا چاہیے۔ اس فکر کے نتیجے میں ایک الجھی ہوئی اور جارحیت پر آمادہ عورت سامنے آئی ہے جس کے کاندھوں پر بھاری بوجھ ہے اور جو نہ بیوی بننے کے لائق ہے نہ ماں۔“

ڈاکٹر میکاؤ کا اخذ کردہ یہ نتیجہ ٹھیک وہی بات ہے جس کی نشان دہی حکیم مشرق علامہ اقبال آج سے کم وبیش پون صدی پہلے یوں کر گئے تھے:

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بے کار و زن تہی آغوش

اور یہ کہ

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اُسی علم کو ارباب نظر موت

ڈاکٹر میکاؤ اس صورت حال کے پیچھے کارفرما ذہن کو بے نقاب کرتے ہوئے بتاتے ہیں:

”درحقیقت نئے عالمی نظام کے سماجی انجینئروں کو جو نتیجہ مطلوب ہے وہ یہی ہے کہ صنفی شناخت کو بے اعتمادی اور کمزوری سے دوچار کر کے خاندانی نظام کو تباہ کر دیا جائے، معاشرتی اور شخصی سطح پر تعطل پیدا کیا جائے اور ”نئی بہادر دنیا“ میں آبادی کم کی جائے۔ اس فلسفے کے مطابق عورتوں کو ماں اور افزائش نسل کا سبب نہیں بننا چاہیے۔ اس کے بجائے انہیں اپنے صنفی خواص سے محروم، جنسی جذبے کی تکمیل کا ایک خود مختار ذریعہ ہونا چاہیے۔“

مغربی عورت آزادی کے جس فریب میں مبتلا کی گئی ہے، اور مسلم ملکوں میں اسی بہانے عالمی استعماری طاقتیں جس طرح اپنے مفادات کا کھیل کھیلنے کی کوشش کر رہی ہیں، ڈاکٹر میکاؤ اسے یوں سامنے لاتے ہیں:

”عورتوں کی آزادی کو اکثر افغانستان کے خلاف جنگ کے جواز کے طور پر پیش کیا جاتا

ہے۔انہیں کس چیز کی آزادی دلانا مقصود ہے؟ برٹنی اسپیئر بننے کی؟ عریاں جسم کی نمائش کرنے کی؟ باہمی ماسٹربیشن کی جو جنسی لذت اندوزی کے لیے امریکہ میں عام ہے؟...... حقیقت یہ ہے کہ اگر انہیں واقعی عورتوں کی فکر ہوتی تو وہ جنگ ختم کر چکے ہوتے۔''

مرد اور عورت کو بحیثیت والدین معاشرے میں اپنے فطری کردار کی ادائیگی سے روکنے اور اس طرح انسانیت کو برباد کرنے کے لیے اس دور میں جو ہتھکنڈے شیطان کے کارندے استعمال کررہے ہیں، ڈاکٹر میکاؤان کے بارے میں بھی بتاتے ہیں:

''انسانی نشو ونما میں ماں باپ کا کردار سب سے زیادہ اہم ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جب ہم بالآخر ذاتی اغراض سے بالاتر ہوکر ایک نئی زندگی کو وجود میں لانے اور پروان چڑھانے کی ذمہ داری سنبھال کر خدا کے قائم مقام بن جاتے ہیں۔ نیا عالمی نظام نہیں چاہتا کہ ہم بلوغت کے اس مقام تک پہنچیں۔لہٰذا پورنوگرافی کو شادی کا متبادل بنا دیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مرد اور عورت الگ الگ، اپنی تکمیل سے محروم، جنسی بھوک کا شکار اور اپنی ذات کے خول میں بند رہیں۔''

عورت کی آزادی اور خودمختاری کے نام پر جو کچھ اس کے نام نہاد ہمدرد کررہے ہیں، انسانی معاشرے خصوصاً عورتوں پر مرتب ہونے والے اس کے عملی نتائج کی وضاحت مصنف یوں کرتے ہیں:

''وہ ہمیں مستقل نجی زندگی کی سہولت نہیں دینا چاہتے،وہ ہمیں اکیلا اور الگ تھلگ، دائمی کورٹ شپ کی کیفیت کے اندر اور اپنی شناخت کے لیے صارفین کی مصنوعات کا محتاج رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ چیز عورت کے لیے خاص طور پر تباہ کن ہے۔اس کی صنفی کشش اس کی بارآوری کی صلاحیت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس صلاحیت کے کم ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی صنفی کشش بھی زوال پذیر ہوتی جاتی ہے۔ اگر ایک عورت اپنے ابتدائی برسوں کو ''خودمختار'' بننے میں لگادے تو شاید وہ اپنے لیے مستقل ساتھی تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔اس کی دیرپا مسرت اور تشفی کا سامان شادی کرنے اور گھر بسانے کو اولین ترجیح قرار دینے میں ہے۔''

آزادی نسواں کی مغربی تحریک پر مصنف کا مجموعی تبصرہ یہ ہے:

''نسوانیت کی تحریک نئے عالمی نظام کا ایک ظالمانہ فریب ہے جس نے امریکی عورتوں کو اخلاق باختگی میں مبتلا کیا اور مغربی تہذیب کو تباہ کر دیا ہے۔''

آزادی نسواں کی مغربی تحریک کے نتیجے میں عورت جس ذلت و پستی کا شکار ہوئی ہے، اس کے مقابلے میں ڈاکٹر میکاؤ کے بقول حجاب کا طریقہ عورتوں کی عزت اور وقار اور خاندان کے تحفظ اور سلامتی کا ضامن ہے، وہ کہتے ہیں:

''میں برقعے کی نہیں بلکہ بعض اُن اقدار کی حمایت کر رہا ہوں جن کی یہ نمائندگی کرتا ہے، بالخصوص اپنے ہونے والے شوہر اور خاندان کے لیے ایک عورت کی حرمت و تقدیس، عفت و پاکیزگی اور عزت و وقار جو اس سے وابستہ ہے۔''[۲]

مغربی خواتین میں اسلام کی مقبولیت کے اصل اسباب کیا ہیں ؟ اس باب میں مغربی تحقیق کاروں اور خود اسلام قبول کرنے والی خواتین کے خیالات کی روشنی میں اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ، اور یہ حیرت انگیز نتیجہ سامنے آیا کہ مغرب کے حکمرانوں، پالیسی سازوں، دانشوروں اور میڈیا کی جانب سے عورتوں کے حقوق کے حوالے سے اسلام کے خلاف زبردست پروپیگنڈے کے باوجود مغرب کی عورتوں میں اسلام کی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک مغربی تہذیب کے مقابلے میں اسلام ان کے حقوق کا، ان سے مرد بننے کا مطالبہ کیے بغیر، بہتر تحفظ کرتا، انہیں عزت واحترام عطا کرتا اور بحیثیت انسان انہیں مردوں کے مساوی مقام دیتا ہے۔ لہٰذا ہم اب اسلام میں عورتوں کے حقوق کے اہم نکات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

..................حواشی..................

1- http://www.utexas.edu/utpress/books/vanwom.html

2- http://www.utexas.edu/utpress/books/vanwom.html

3- http://news.bbc.co.uk/2/hi/uk_news/england/3673730.stm

4- http://yvonneridley.org/2006/how-i-came-to-love-the-veil

5- http://www.dailymail.co.uk/femail/article1325231-/Why-I-love-Islam-Lauren-Booth-defiantly-explains-Muslim.html)

6- http://www.henrymakow.com/180902.html

7- http://www.henrymakow.com/180902.html